خلاصہ

زبدۃ الاتقان

مدرس:علامہ ناصر مدنی

جامعہ فیضان غازیان

فہرست

السلام علیکم ورحمہ اللہ

بحمد اللہ تعالی میں نے یہ خلاصہ علامہ ناصر مدنی کے حکم پر تحریر کیا اور یہ میرا باقاعدہ کتابی شکل پر منظم انداز میں لکھنے کا پہلا تجربہ ہے، لہذا اس تحریر میں کمپوزنگ یا کسی بھی قسم کی غلطی ملنے کی صورت میں مطلع کریں۔ اللہ تبارک و تعالی سے دعا ہے کہ وہ میری اس حقیر سی کوشش کو قبول فرمائے۔

بندہ نادان محمد فیضان

mfra1259@gmail.com

خلاصہ زبدۃ الاتقان

قرآن مجید کی تفسیر کا مطالعہ کرنا اور اسکی آیات کے معانی و مفاہم کا سمجھنا اصطلاحات تفسیر کے جاننے پر موقوف ہے۔ لہذا قرآن مجید کی تفسیر کو سمجھنے کے لئے مکی اور مدنی سورتوں کی پہچان ، ناسخ و منسوخ اور اسباب نزول کا معلوم ہونا انتہائی ضروری ہے ۔ اور اگر کوئی شخص اس علم کو حاصل کیے بغیر تفسیر میں غوروفکر کرے گا تو وہ کماحقہٗ ہو قرآن کے مطالب کو سمجھ نہیں پائے گا اور نتیجتا اس کی دلچسپی کم ہو جائے گی۔ لہذا اس خلاصے (زبدۃ الاتقان) میں چند ایسے اہم مباحث اور ایسے اصول پیش کیے جا رہے ہیں کہ جس کی مدد سے ہم جان سکیں گے کہ کتاب اللہ سے ہم کیونکر استفادہ حاصل کر سکتے ہیں۔

تفسیر کا معنیٰ ہے کسی شے کو ظاہر کر دینا، اور چونکہ کہ یہ علم قرآن کے معانی کو واضح کر دیتا ہے لہذا اسے علم تفسیر کہا جاتا ہے۔

علم تفسیر: ایسا علم کہ جس میں قران مجید کی احوال یعنی نزول کے اعتبار سے مکی یا مدنی ہونے یا قران کی سند یا اس کے الفاظ کی ادائیگی یا قرآن کے ایسے معنی جو احکام سے متعلق ہیں وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے۔

تفسیر اور تاویل کا فرق

جس لفظ کا صرف ایک معنی ہو اس کو بیان کرنا **تفسیر** ہے۔ اور جس لفظ کے کئی معنی ہوں تو دلیل سے کسی معنی کو بیان کرنا **تاویل** ہے۔

امام ماتریدی نے کہا ہے کہ قطعیت سے بیان کرنا کہ اس لفظ کا یہ معنی ہے اور اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالٰی نے اس لفظ سے یہ معنی مراد لیا ہے، یہ تفسیر ہے سو اگر کسی دلیل قطعی کی بنا پر یہ شہادت دی گئی ہے تو یہ تفسیر صحیح ہے ورنہ تفسیر بالرائے ہے اور یہ منع ہے اور لفظ کے کئی محتملات میں سے کسی ایک احتمال کو بغیر قطعیت اور شہادت کے متعین کرنا تاویل ہے۔

موضوع: اسکا موضوع کلام اللہ لفظی ہے۔

غرض و غایت ، فائدہ : قران کے معنی و مفاہم کو سمجھنا اور سمجھنے کے بعد عمل کرنا،اور اس کا فائدہ سعادت دارین ہے۔

اس علم کے واضع اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ علوم میں سے سب سے زیادہ افضل علم ہے وہ اس لیے کہ کوئی بھی علم اس کے موضوع کی بنا پر افضل ہوتا ہے اور اس کا موضوع کتاب اللہ سب سے زیادہ افضل ہے ۔

حد القران: قران لفظ (قرء) سے ماخوذ ہے ،اور اصطلاح میں الكلام منزل على سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم المعجز بسورة منه وہ کلام جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور اس کی سورتیں عاجز کر دینے والی ہیں۔

قیود و فوائد

تعریف میں الکلام بطور جنس لایا گیا ہے جو کہ تمام کلام کو شامل ہے۔ پھر لفظ منزل کو بطور فصل لایا گیا ہے جس سے تمام غیر آسمانی کتابیں خارج ہو جاتی ہیں علی سیدنا محمد کی قید سے دیگر آسمانی کتب جیسے توریت زبور

انجیل وغیرہ خارج ہو جاتی ہے۔المعجز کی قید اس لیے لگائی تاکہ قران کی تعریف سے حدیث قدسی وغیرہ خارج ہو جائیں اگرچہ حدیث قدسی اللہ تبارک و تعالی کا ہی کلام ہوتا ہے لیکن وہ عاجز کر دینے والا نہیں ہوتا۔

سورۃ:قرآن کریم کے ایک جزء کو کہا جاتا ہے جو ایک خاص منظم اور مرتبط مضامین پر مشتمل ہوتا ہے۔ قرآن مجید کو مختلف سورتوں میں تقسیم و ترتیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خود فرماگئے تھے۔ آپ ہی کے ارشاد کے مطابق ایک سورۃ شروع کی جاتی تھی اور دوسری ختم کل قرآنی سورتوں کی تعداد 114 ہے۔ سورتوں کے نام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے رکھے ہوئے ہیں۔ عربی کی مشہور لغت کی کتابوں میں سورۃ کے مختلف معانی ملتے ہیں ۔ جیسے ایک معنی بلندی یا منزل کے ہیں۔ گویا ہر سورۃ ایک بلند منزل کا نام ہے۔ سورۃ کے دوسرے معنی شہرپناہ کی دیوار کے بھی ہیں، قرآن کی سورۃ کو سورۃ اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ گویا وہ فصیل شہر کی طرح اپنے مضامین کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔
آیت: سورت میں سے ایک جملہ ہے جس کو فاصلے O کے ذریعے ممتاز کیا جاتا ہے۔

مکی و مدنی

سورت کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں تین اصطلاحات ہیں:

1. جو سورتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں وہ مکی اور جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں اگرچہ فتح مکہ یا حجۃ الوداع یا کسی سفر میں نازل ہوئی ہوں وہ سب سورتیں مدنی ہیں، اور یہی سب سے زیادہ مشہور اور معتمد قول ہے۔
2. جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں اگرچہ ہجرت کے بعد ہو وہ مکی اور جو مدینے میں نازل ہوئی وہ مدنی سورتیں ہیں۔
3. جس صورت میں اہل مکہ سے خطاب ہو وہ سورۃ مکی اور جس میں اہل مدینہ سے خطاب ہو وہ سورۃ مدنی ہے۔

سورتوں کے مکی یا مدنی ہونے کی پہچان کے فوائد:

- ناسخ و منسوخ کا علم حاصل ہوتا ہے۔
- نزول کے اعتبار سے قران کی ترتیب معلوم ہوتی ہے۔
- آیات کی تقدیم و تاخیر کے بارے میں علم حاصل ہوتا ہے۔

مکی و مدنی سورتوں کی پہچان کی علامات :

- جس سورۃ میں (یا ایھا الناس) سے خطاب ہو وہ مکی ہے۔ علاوہ سورہ حج
- جس سورۃ میں (کلا) ہے وہ مکی ہے۔
- جس سورۃ میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا تذکرہ ہوا وہ سورۃ مکی ہے سوائے سورہ بقرہ کے۔
- جس سورۃ میں (یا ایھا الذین آمنو) سے خطاب ہو وہ سورت مدنی ہے۔
- جس صورت میں منافقین کا ذکر ہو وہ سورۃ مدنی ہے، سوائے سورۃ عنکبوت کے۔

- جس سورۃ میں حدود اور فرائض کا ذکر ہے وہ سورۃ مدنی اور جن میں پچھلی امتوں کا ذکر ہے وہ سورۃ مکی ہے۔قرآن کریم میں کل 114 سورتیں ہیں جن میں سے 29 مدنی اور 85 مکی سورتیں ہیں۔

با اعتبار مکان آیتوں کی تقسیم:

مکی و مدنی،

حضری: وہ آیات کہ جن کا نزول شہر میں ہوا۔

سفری: وہ ایات جن کا نزول سفر میں ہوا۔ جیسے آیت تیمم اور آیت تحویل قبلہ وغیرہ۔

با اعتبار زمانہ آیتوں کی تقسیم:

لیلی: وہ آیتیں جو رات میں نازل ہوئیں۔

نہاری وہ آیتیں جو دن میں نازل ہوئیں۔

صیفی جو گرمیوں میں نازل ہوئیں۔

شتائی جو سردیوں میں نازل ہوئی۔

قرآن مجید کا کون سا حصہ سب سے پہلے نازل ہوا

اس بارے میں کئی اقوال ہیں:

پہلا قول: سب سے پہلے اقرا بسم ربک الذی خلق نازل ہوئی۔اور یہی سب سے صحیح قول ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے ایک روایت کا مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی جو کچھ آپ رات کو خواب میں دیکھتے اس کی تعبیر صبح ظاہر ہو جاتی، پھر آپ صلی

اللہ علیہ وسلم غار حرا میں جا کر کئی کئی دن تک عبادت کیا کرتے تھے اسی دوران آپ پر اقرا بسم ربک الذی خلق نازل ہوئی ہے۔

دوسرا قول : سب اس سے پہلے یا ایھا المدثر نازل ہوئی حضرت ابو سلمہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے قران کی سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت کے بارے میں سوال کیا حضرت جابر نے جواب دیا یا ایھا المدثر حضرت ابو سلمہ نے سوال کیا اقرا بسم ربک الذی خلق نہیں تو حضرت جابر نے جواب دیا کہ میں تمہیں وہ بات بتاتا ہوں جو مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ۔اللہ کے رسول نے فرمایا کہ میں غار حرا میں عبادت کرنے کے بعد وادی کے دامن میں چلا گیا مجھے کسی نے آواز دی میں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو مجھے جبرائیل نظر آئے جبرائیل کو دیکھ کر مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی اور میں گھر آگیا اور حضرت خدیجہ سے کہا کہ مجھے کوئی چادر اڑاو تب اللہ تبارک و تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی

یا ایھا المدثر O قم فانذر اے چادر اڑنے والے لوگوں کو ڈر سناو۔

اس قول کا سب سے مشہور جواب یہ ہے کہ نبوت کے بارے میں سب سے پہلی آیت اقرا بسم ربک الذی خلق نازل ہوئی اور رسالت کے بارے میں سب سے پہلی آیت یا ایھا المدثر نازل ہوئی۔

تیسرا قول : سب سے پہلے سورہ فاتحہ نازل ہوئی اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ جو امام بیہقی نے نقل کی لیکن اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ وہ حدیث مرسل ہے ۔

چوتھا قول : سب سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوئی لیکن اس کو ایک مستقل آیت قرار دینا درست نہیں کیونکہ سورت کے نازل ہونے کے ساتھ ضروری ہے کہ اس کے ساتھ بسم اللہ بھی نازل ہو۔

قران کے حفاظ اور راویوں کا تعارف

امام بخاری نے عمروبن العاص سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ « قران کا علم ان چار اشخاص سے حاصل کرو عبداللہ ابن مسعود[1] سالم [2] معاذ ابن جبل[3] ابی بن کعب[4] » اس قول سے فقط ترغیب مقصود ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ ان چار کے علاوہ دوسرے صحابہ حفاظ نہیں تھے۔

امام بخاری حضرت قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے دریافت کیا کہ کن لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قران پاک کو جمع کیا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ نے ارشاد فرمایا چار اشخاص نے اور وہ سب انصار میں سے تھے معاذ ابن جبل 1 زید بن ثابت 2 ابی بن کعب 3 ابو زید4 ۔

ماذری کا قول ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کے قول سے یہ لازم نہیں آتا کہ قران کو ان چار اشخاص کے علاوہ اور کسی نے جمع نہیں کیا کیونکہ صحابہ کرام کی جماعت بہت بڑی تھی اور ان میں سے کئی منتشر شہروں میں پھیلے ہوئے تھے اور وہ ہر شخص سے ملے ہوں اور انہوں نے اپنے بارے میں یہ بتایا ہو کہ انہوں نے عہد رسالت میں قران کو جمع نہیں کیا ایسا ہونا عادتا ناممکن ہے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ جنگ یمامہ میں 70 صحابہ شہید ہے اور اتنی ہی قدر غزوہ بیر معونہ میں شہید ہوئے ۔ اسلے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انس نے جن چار لوگوں کا ذکر کیا وہ ان سے اپنے گہرے تعلق کی بناء پر تھا۔

ابو عبید نے اپنی کتاب "کتاب القرأت" میں لکھا کہ مہاجرین میں سے خلفاء راشدین ،عبداللہ ابنِ مسعود ،حضرت حذیفہ ،حضرت سالم، ،حضرت ابو ہریرہ ،حضرت طلحہ ،حضرت عبداللہ بن زبیر ،حضرت عبداللہ بن سائب،حضرت عبداللہ ابن عباس ،حضرت عبداللہ ابن عمر ،حضرت عائشہ ،حضرت حفصہ اور انصار میں سے عبادہ بن صامت ،حضرت معاذ ، مجمع بن جارید ، حضرت فضالہ بن عبید ،حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنھم نے قران کو پورا یاد کیا اور اس کی قرأتوں سے واقف تھے۔

سات قاری فن قرأت کے امام کے طور پر پوری دنیا میں مشہور ہوئے؛

1. نافع انہوں نے ستر تابعین سے قرأت کا علم حاصل کیا۔
2. ابنِ کثیر انہوں نے عبداللہ بن سائب صحابی سے قرأت سیکھی۔
3. ابو عمرو انہوں نے تابعین سے فن قراءت سیکھا۔
4. ابنِ عامر انہوں نے حضرت ابو درداء سے قران کی تعلیم حاصل کی۔
5. عاصم انہوں نے تابعین سے قراءت کی تعلیم حاصل کی۔
6. حمزہ انہوں نے عاصم اور منصور بن معتمر سے قرآت کی تعلیم حاصل کی۔
7. کسائی انہوں نے حمزہ اور ابوبکر عیاش سے فن قرات میں مہارت حاصل کی۔

قرات کی اقسام اور ان کی تعریفات

قراءات کی کئی اقسام ہیں:

- **متواتر** وہ قرات جس کو کثیر جماعت نے نقل کیا ہو اور ان سب کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو، زیادہ تر قرائتیں ایسی ہی ہیں۔
- **خبر مشہور** وہ قرات کہ جس کی سند صحیح ہو لیکن وہ درجہ تواتر تک نہ پہنچی ہو اور وہ قرات عربی رسم الخط کے مطابق ہو اور قاریوں کے نزدیک غلط مشہور نہ ہو، اسی قسم کی مثال وہ قراتیں ہیں کہ جن کے درمیان سات قاریوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔
- **خبر واحد** وہ قرات جس کی سند تو صحیح ہو لیکن اس میں عربی رسم الخط کی مخالفت پائی جاتی ہو اور وہ مذکورہ بالا دونوں قراتوں کی طرح مشہور نہیں ہوئی ہو۔جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی آیت فروح وریحان میں (ر) کو ضمہ کے ساتھ پڑھتے تھے۔
- **شاذ** یہ ایسی قرات ہے کہ جس کی سند صحیح ثابت نہ ہو، شاذ کی مثال میں " ملک یوم دین "کی قرات ہے.اس میں ملک صیغہ ماضی اور لفظ یوم نصب کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔
- **مدرج** یہ ایسی قسم ہے جس کو حدیث کی انواع سے مشابہ ہونے کے باعث مدرج میں شامل کیا گیا ہے اور یہ وہ قرات ہے جو دوسری قراتوں میں تفسیر کے طور پر زیادہ کر دی گئی ہے۔

تنبیہات

پہلی تنبیہ

امام فخرالدین رازی فرماتے ہیں کہ " بعض کتابوں میں منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سورہ فاتحہ اورمعوذتین کو قرآن کا حصہ نہیں مانتے تھے۔اس بات پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر ہم کہیں کہ نقل متواتر کا ثبوت صحابہ کے زمانے سے ہے تو ان سورتوں کا انکار کفر ہوگا،اور اگر ہم کہیں کہ تواتر صحابہ کے زمانے میں نہیں تھا تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ قرآن اصل میں متواتر نہیں۔امام رازی فرماتے ہیں ظن غالب ہے کہ ابن مسعود سے یہ روایت کرنا باطل ہو،اور اسی طرح اس اعتراض سے چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا ہے۔

قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے فاتحہ اور معوذتین کے قرآن ہونے کا انکار صحیح طورپر ثابت نہیں۔دراصل حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کے خیال میں مصحف کے لکھنے میں سنت یہ تھی کہ جس چیز کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے کا حکم دیا وہ لکھی جائے اس کے علاوہ چیز کا لکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فاتحہ اور معوذتین لکھنے کا حکم نہیں دیا لہذا وہ ان سورتوں کا لکھنا جائز نہیں سمجھتے تھے نہ کہ ان کے قرآن ہونے کے منکر تھے۔

دوسری تنبیہ

حضورکی حدیث مبارکہ کہ ان القران انزل علی سبعۃ احرف قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن اس طریقے پر نازل ہوا کہ اس میں ایک لفظ کو کئی طریقوں سے ادا کرنے کی گنجائش ہے

لیکن یہ طریقے 7 سے زیادہ نہیں بڑھیں گے۔

تیسری تنبیہ

فقط سات قراءتوں پر ہی اکتفا کیوں کیا گیا؟یہ اس وجہ سے کہ تمام راویوں سے قرات کا سماع کرنا دشوار ہوتا جا رہا تھا لہذا لوگوں نے انہیں قراتوں پر اکتفا کیا جو رسم الخط کے موافق تھیں تاکہ حفظ میں سہولت رہے، پھر انہوں نے 7 مشہور اسلامی شہروں سے ایک ایک امام کو منتخب کیا جو ثقہ ہونے کے ساتھ ساتھ غیر متنازعہ شخصیت کے حامل تھے۔سند کے لحاظ سے امام نافع رحمہ اللہ اور امام عاصم رحمہ اللہ کی قرائتیں زیادہ صحیح ہیں اور فصاحت کے اعتبار سے ابو عمرو اور کسائی کی قرائتیں اعلی درجے کی ہیں ۔

سات مشہور قراتوں کے علاوہ دوسری قراتوں کا حکم

جو قرات سات مشہور قراتوں سے خارج ہے اس کی دو قسمیں ہے:

پہلی قسم وہ ہے جو رسم الخط کے مخالف ہے ایسی قرات کا نماز یا اس کے علاوہ کسی بھی حالت میں پڑھنا ہرگز جائز نہیں۔

دوسری قسم وہ ہے جو رسم الخط کے مخالف تو نہیں لیکن غیر مشہور اور ایسے غریب طریقے سے حاصل ہوئی ہے کہ جس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ۔

چوتھی تنبیہ

قراءتوں کا اختلاف احکام کے مختلف ہونے کا بھی سبب بنتا ہے ہے جیسے اگر لمستم پڑھا جائے تو اس صورت میں صرف چھونے والے کا وضو ٹوٹ جائے گا اور لامستم پڑھا جائے تو اس صورت میں چھونے

والے اور جس کو چھوا دونوں کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

طبقات مفسرین

اصل شارح قرآن اور مفسر وحی الہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔اس کے بعد طبقات مفسرین میں سب سے اعلی طبقہ حضرات صحابہ کرام کا ہے۔

طبقات صحابہ

تمام صحابہ میں سے دس 10 حضرات وصف تفسیر میں ممتاز ونمایاں اور دوسروں پر فائق تھے۔
خلفائے اربعہ حضرت ابو بکر صدیق ،حضرت عمر بن خطاب ،حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی ابن ابی طالب ،عبداللہ ابن مسعود عبداللہ بن عباس، ابی بن کعب ،زید بن ثابت ،ابوموسی الاشعری،عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم۔
دیگر خلفاء کے کے بنسبت حضرت علی سے تفسیر کی روایات سب سے زیادہ ہیں۔اس کا سبب یہ ہے کہ ان خلفاء راشدین کا وصال پہلے ہو گیا تھا،وہب نے ابو طفیل سے روایت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو خطبہ دیتے ہوئے سنا وہ فرما رہے تھے تم لوگ مجھ سے سوال کرو کیونکہ اللہ کی قسم تم جو بات بھی پوچھو گے میں تم کو اس کی خبر دوں گا کہ تم مجھ سے قرآن کے بارے میں سوال کرو اس کی کوئی آیت ایسی نہیں کہ جس کے بارے میں مجھے علم نہ ہو اگرچہ وہ آیت رات میں نازل ہوئی ہو یا دن میں ہموار میدان میں اتری ہو یا پہاڑی علاقے میں۔

خلفائے راشدین کے بعد دس حضرات میں سب سے بہترین ترجمان القرآن حبرالامہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ ھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کے حق میں دعا (اللھم علمہ الکتاب والحکمۃ والتأویل) آپ کے بہترین ہونے کی کھلی دلیل ہے۔

ابو نُعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا جب آپ کے پاس جبریل موجود تھے پس جبریل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یہ شخص اس امت کا حبر زبردست عالم ہونے والا ہے لہذا آپ اس کے لئے نیک وصیت فرمائیے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ حضرت ابن عباس کو اپنے اسی علمی امتیاز کی بنا پر پر شیوخ بدر کے ساتھ بٹھاتے تھے، ان میں سے بعض کو یہ محسوس ہوا کہ یہ لڑکا تو ہمارے بیٹوں جتنا ہے ،اس کا مقام اس قدر زائد کیوں اور انہوں نے اس کا اظہار حضرت عمر سے کیا۔ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ان افراد کو جمع کیا اور ان سے اذا جاء نصر اللہ والفتح کی تفسیر دریافت فرمائی، کئی صحابہ نے سکوت اختیار کیا اور کئی نے صرف ظاہری اور لفظی مراد بیان کرنے پر اکتفا کیا کہ اللہ تعالی نے اپنی فتح ونصرت کی بشارت سنائی ہے اور اس پر حمد بیان کرنے کا حکم ارشار فرمایا ہے ۔پھر حضرت عمر نے اس بابت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے سوال کیا تو آپ نے کلام اللہ کی تفسیر میں اپنی مہارت دکھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ حضور کی وفات کی خبر کی طرف اشارہ ہے کہ جب تمہارے پاس فتح نصرت آجائے تو یہ تمہارے دنیا سے سفر کرنے کی علامت ہے تو تم اپنے پروردگار کی حمد بیان کرو اور اس سے معفرت طلب کرو۔پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ میں بھی یہی جانتا تھا۔

عبد اللہ بن عباس کے بعد مفسرین میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کا درجہ ہے۔ان کی تفسیری روایات حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی زیادہ ہیں۔

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم کتاب اللہ کی کوئی آیت ایسی نہیں کہ جس کا مجھ کو علم نہ ہو کہ وہ کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی۔

طبقات تابعین

مفسرین میں دوسرا طبقہ تابعین کا ہے یعنی وہ حضرات جن کو صحابہ کرام سے فیض تلمذ حاصل ہوا۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ تفسیر کے سب سے بڑے عالم اہل مکہ ہیں وہ اس لئے کہ اہل مکہ کثرت سے حضرت ابن عباس کے شاگرد تھے جیسے مجاھد ، عطاء بن ابی رباح ، عکرمہ جو کہ خود آپ کے غلام تھے۔اسی طرح کوفہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعود کے شاگرد اور علمائے مدینہ بھی بکثرت صحابہ سے تفسیر کا علم حاصل کرتے تھے۔

ان میں سب سے بڑے عالم حضرت مجاھد ہیں۔

حضرت فضل بن میمون فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مجاہد کو فرماتے ہوئے سنا کہ "میں نے قرآن کو حضرت عبداللہ بن عباس کے سامنے تیس مرتبہ پیش کیا۔"

مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے قرآن کو ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کے سامنے تین مرتبہ اس طرح پڑھا کے اس کی ہر آیت پر رک کر پوچھا کہ وہ کس کے متعلق نازل ہوئی ۔

خصیف کا بیان ہے کہ لوگوں میں مجاہد بہت بڑے مفسر قرآن تھے۔ امام ثوری فرماتے ہیں اگر تم کو مجاہد سے تفسیر کی روایت ملے تو تمہارے لیے کافی ہے۔

ابن تیمیہ کا قول ہے کہ مجاہد کی تفسیر پر امام شافعی اور امام بخاری وغیرہ اہل علم اعتماد کرتے ہیں۔

سعید بن جبیر

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چار اشخاص سے تفسیر کا قول لیا کرو سعید بن جبیر، مجاھد، عکرمہ ، اور ضحاک سے۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں تابعین میں سے چار شخص بہت بڑے عالم ہیں عطا بن ابی رباح یہ مناسک کے بہت بڑے عالم تھے سعید بن جبیر یہ تفسیر کے ماہر تھے حضرت عکرمہ سیرت کے ماہر تھےاور حضرت حسن حلال اور حرام کا علم جانتے تھے۔

عکرمہ

شعبی کا قول ہے کہ عکرمہ سے بڑا کتاب اللہ کا کوئی عالم باقی نہیں رہا۔

اس کے علاوہ تابعی مفسرین میں میں سے حسن بصری، عطاء بن ابی رباح ، عطاء بن ابی سلمی ، محمد بن کعب القرظی ، ابوالعالیہ ، ضحاک بن مزاحم ، عطیہ العوفی ، زید بن اسلم اور ابو مالک ہیں۔

ان افراد کے بعد **ابن جریر الطبری** کا مرتبہ ہے،ان کی تفسیر تمام کتب تفسیر میں سب سے بہترین ہے۔

اس کے بعد کئی لوگوں نے تفسیر کی کتابیں لکھیں اور انہوں نے اسانید کو مختصر کریا اور ہر ایک سے اقوال نقل کیے۔اور یہی سے خرابی پیدا ہوئ اور لوگوں نے صحیح اور غیر صحیح اقوال کا درست طور پر موازنہ نہیں کیا۔اس کے بعد ایسے لوگوں نے تفسیر کی جو خاص علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ جیسے
نحوی کہ وہ اپنی تفسیر میں نحو کے قواعد اور مسائل اور اختلافات کو ذکر کرتے تھے،مورخ اپنی تفسیر میں قصوں اور اگلوں کی خبروں کی بھرمار کرتے تھے چاہے وہ سچی ہو یا جھوٹی، اسی طرح فقیہ اپنی تفسیر میں فقہی مسائل کو ذکر کرتے اور علوم و عقلیہ میں مہارت رکھنے والا اپنی تفسیر میں حکما اور فلاسفہ کے اقوال کو درج کرتے، کچھ بدعتی لوگوں نے بھی قران کی تفسیر کی اور وہ قران کی آیات میں تحریف کر کر ان آیات کی تفسیر اپنے فاسد و باطل عقائد کے مطابق کرتے تھے۔

مستند اور قابل اعتماد تفسیر کونسی ہے ؟

علامہ جلال الدین سیوطی الشافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہیں کہ اگر تم کہو کہ کون سی تفسیر اچھی ہے کہ جس کی طرف میں اعتماد کرنے کا حکم دیتا ہوں تو میں کہوں گا کہ وہ مستند امام ابو جعفر بن جریر طبری کی تفسیر ہے جس پر تمام معتبر علماء کا اتفاق ہے کہ فن تفسیر میں اس جیسی کوئی تفسیر نہیں پائی جاتی۔
امام نووی تہذیب میں لکھتے ہیں کہ ابن جریر کی مثل تفسیر پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

اسباب نزول کی معرفت

قرآن کی آیات دو قسم کی ہے ایک قسم وہ ہے جس کو اللہ تعالی نے ابتدا نازل کیا وہ کسی خاص سبب یا واقعے کے ساتھ منسلک نہیں وہ مخلوق کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی تھی۔ اس قسم کی آیت بکثرت موجود ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جو کسی خاص سبب یا واقعے کے ساتھ متعلق ہے یا کسی سوال کے جواب میں نازل کی گئی ہے ان اسباب اور واقعات کو مفسرین کی اصطلاح میں سبب نزول اور شان نزول کہا جاتا ہے۔

اسباب نزول کے فوائد

اسباب نزول کی معرفت سے حکم کے مشروع ہونے کی حکمت اور سبب کا معلوم ہوتا ہے جو کہ قران کے معنی سمجھنے کا سب سے بہترین طریقہ ہے ۔سبب نزول کی معرفت کا علم حاصل کیے بغیر قران کے معنی سمجھنے میں الجھن اور دشواری پیدا ہوتی ہے اور بعض آیتوں کی تفسیر میں بندہ خطا کا شکار ہو جاتا ہے۔اس علم کی اہمیت کا اندازہ درج ذیل مثال سے لگائیے:

اللہ تعالی کا قول" فاینما تولوا فثم وجه الله"

قرآن کریم کی اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے لئے جائز ہے کہ وہ جس طرف چاہے منہ کر کے نماز پڑھ لے ، اس کے لئے کسی بھی حالت میں بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا واجب نہیں۔ لیکن اس آیت کا صحیح معنیٰ شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مسافر کی نماز اور سواری پر نفل نماز پڑھنے کے متعلق نازل ہوئی یعنی سفر میں نمازی کو رخصت دی گئی ہے کہ وہ نفل نماز سواری پر پڑھنا سکتا ہے خواہ سواری کا رخ کس طرف بھی ہو۔

عموم لفظ و خصوص سبب اعتبار کس کا ؟

قرآن مجید میں کبھی سبب عام ہوتا ہے اور آیت کے الفاظ بھی عام ہوتے ہیں ، کبھی سبب خاص ہوتا ہے ، اور آیت کے الفاظ بھی خاص ہوتے ہیں اور کبھی سبب تو خاص ہوتا ہے لیکن آیت کے الفاظ عام ہوتے ہیں اسی صورت میں علماء کا اختلاف ہے ۔یعنی جب ہمیں حکم شرعی پر مشتمل کسی آیت کا سبب نزول معلوم ہوا تو وہ حکم شرعی فقط اس سبب کے ساتھ خاص ہوگا یہ اس کے علاوہ کے لیے بھی وہ حکم جاری ہوگا ؟

جمہور کے نزدیک خصوصیت سبب کا نہیں بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار کیا جائے گا۔کیونکہ ایسی بے شمار آیات ملتی ہیں کہ جن کا نزول خاص اسباب میں ہوا۔مگر بالاتفاق علماء ان آیات کے احکام کو دیگر اسباب کی میں بھی جاری کرتے ہیں۔ جیسا کہ :۔

آیت ظہار سلمہ بن صخر کے بارے میں نازل ہوئی اسی طرح آیت لعن ہلال بنو امیہ کے بارے میں اور حد قذف کا شان نزول حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ پر تہمت لگانے والوں کے لیے تھا ۔مگر بعد میں یہ احکام دیگر لوگوں پر بھی جاری کیے گئے۔

علامہ جلال الدین سیوطی الشافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عموم لفظ کی دلیل خود حضرات صحابہ کرام کا مختلف واقعات میں خاص اسباب والی آیات کے عموم الفاظ سے استدلال کرنا ہے۔علامہ سیوطی آیت ظہار کا شان نزول لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت خولہ بن ثعالبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے شوہر کی شکایت کی کہ میرا شوہر میری جوانی

کھا گیا اب میں زیادہ عمر کی ہو گئی ہوں ، میرے بچے بھی نہیں رہے ، اور اس نے مجھ سے ظہار کر لیا ہے وہ مسلسل یہ شکایت کرتی رہی حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

آیت ظہار کا سبب خاص ہے اور وہ خولہ بن ثعالبہ کے شوہر کا ان سے ظہار کرنا ہے۔ لیکن اس آیت کے الفاظ عام ہیں یعنی ہر ظہار کرنے والے مسلمان کا یہی حکم ہوگا۔

مصادر اسباب نزول

اسباب نزول معلوم کرنے کے سلسلے میں فقط انہی پر اعتماد کیا جائے گا کہ جن کے سامنے یہ آیات نازل ہوئی اور انہوں نے اس کی تحقیق کی اور یقینا وہ حضرات صحابہ کرام ہیں۔

علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبیدہ سے قران کی ایک آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو کیونکہ وہ لوگ چلے گئے کہ جو یہ جانتے تھے کہ اللہ نے آیت کس کے متعلق نازل کی ہے۔

صحابہ کرام ہی کو سبب نزول کی شناخت کا دارومدار قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ اسباب نزول انہی کے ذریعے معلوم ہو سکتے ہیں کہ جو ان معاملات سے وابستہ تھے۔ ایت مبارکہ کے نزول کا مشاہدہ کرنا اور اس کی تحقیق کرنا یہ اس امر کے متقاضی ہے کہ سبب نزول کے بارے میں صحابہ کرام ہی کو مرجع قرار دیا جائے۔

صحابہ اور تابعین کی عادت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر ان میں سے کوئی کہتا نزلت هذه الايه في كذا (یہ آیت اس معاملے میں نازل ہوئی ہے) اس سے آیت کا حکم بتانا مقصود ہوتا ہے نہ کہ سبب نزول۔ ان کا اس طرح کہنا آیت سے حکم پر استدلال کرنے کی طرح ہے نہ کہ شان نزول بیان کرنا۔

ایک آیت کے متعدد اسباب ہونے کا بیان

بعض جگہ مفسرین نے ایک آیت کے کئی سبب نزول بیان کیے ہیں۔ایسی صورت میں صحیح قول پر اعتماد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ واقعے کی نوعیت کا جائزہ لیا جائے گا اگر دو راویوں نے مختلف اسباب بیان کیے ہیں تو اس صورت میں دوسرا سبب تفسیر ہوگا بشرط کہ آیت کے الفاظ دونوں کو شامل ہوں۔

لیکن اگر ایک راوی نے نزول کا صریح سبب بیان کر دیا اور دوسرے نے اس کے بالکل برعکس سبب بتایا تو اس صورت میں دوسرے قول کو استنباط شمار کیا جائے گا،اور پہلے قول پر اعتماد کیا جائے گا جیسا کہ امام بخاری نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ یہ آیت۔ نساؤکم حرث لکم بیویوں کے ساتھ غیر فطری طریقے سے صحبت کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے،اور امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہودی کہا کرتے تھے کہ جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ پشت کی جانب سے آگے کے مقام میں وطی کرے گا تو اس کا بچہ بھینگا پیدا ہوگا اس بات کی تردید میں اللہ تبارک و تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی۔یہاں حضرت جابر کا قول قابل اعتماد اور ابن عمر کے قول کو استنباط سمجھا جائے گا کیونکہ حضرت جابر کا قول نقل ہے اور حضرت ابن عمر کا قول قیاس۔

یا اگر دو اشخاص نے مختلف اسباب بیان کیے تو دیکھا جائے گا کہ ان میں سے کس کا قول صحیح سند سے ثابت ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ کسی آیت کا نزول چند یا کئی اسباب کے بعد ہوا ہو۔یا جس آیت کے کئی سبب نزول بیان کیے گئے ہوں تو اس آیت کے نزول میں تکرار کو مان لیا جائے۔

متعدد آیات کے نزول کا ایک سبب ہونے کا بیان

بسا اوقات ایک واقعہ کے بارے میں متعدد آیات کا نزول بھی ہوتا ہے مثال کے طور پر

امام ترمذی ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں اللہ تبارک و تعالی کو ہجرت کے معاملے میں عورتوں کا کچھ بھی ذکر کرتے نہیں سنتی تو اس وقت اللہ تبارک و تعالی نے سورۃ آل عمران کی ایت فاستجاب لهم ربهم اني لا اضيع نازل فرمائی ۔

عاقب نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ سے عرض کی اللہ تبارک و تعالی مردوں کا ذکر فرماتا ہے عورتوں کا ذکر نہیں فرماتا پھر اللہ تبارک و تعالی نے سورہ احزاب کی ایت نمبر 35 ان المسلمين والمسلمات نازل فرمائی۔

قران کی وہ آیات کہ جن کا نزول صحابہ کرام کی زبان پر جاری ہونے والے کلمات پر ہوا

یہ دراصل حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی موافقت کا باب ہے کہ جو باتیں انہوں نے کی اسی کی تائید میں اللہ تبارک و تعالی نے آیت مبارکہ نازل فرمائی۔

جیساکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض لو اتخذنا من مقام إبراهيم مصلى اسی وقت ایت کریمہ نازل ہوئی کہ مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ازواج مطہرات کے سامنے فاسق اور صالح ہر طرح کے افراد اتے ہیں تو کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ انہیں پردے کا حکم ارشاد فرمائیں اسی وقت اللہ تبارک و تعالی نے آیت حجاب نازل فرمائی۔

ایسے قواعد جن کا جاننا مفسر کے لیے ضروری ہے

معرفہ و نکرہ کے قواعد

نکرہ لانے کے اسباب

1. وحدت کو ذکر کرنا مقصود ہو جیسے ضرب اللہ مثلا جلا اس ایت جلا نکرہ لایا گیا ہے جس سے مراد ایک غلام ہے
2. اور کبھی نکرہ لانے سے نوع کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے جیسے علی بصا ھم غشا یعنی غشا پردے کی ایک ایسی منفرد نوع ہے کہ جسے لوگ نہیں جانتے اور کبھی وحدت اور نوعیت کو ایک ساتھ بھی بیان کیا جاتا ہے ہیں جیسے اللہ خلق کل به من ما اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی نے چو پائے کی ہر **ایک قسم** کو پانی کی **ایک قسم** سے پیدا کیا (

(
3. کبھی نکرہ لانے سے مراد تعظیم کو بیان کرنا بھی ہوتا ہے یعنی جس چیز کے متعلق بات کی جا رہی ہے وہ اتنی عظیم ہے اس کی تعریف کرنا ممکن نہیں جیسے فا نو بحر (حرب) سے مراد اتنی بری جنگ کہ تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے

4. اور کبھی نکرہ لانے سے کثرت بیان کرنا پیش نظر ہوتا ہے۔ ائن لنا اجرا یعنی وافرا جزیلا بہت زیادہ اجر ثواب۔ کبھی نکرہ تعظیم اور تکثیر دونوں کے لیے لایا جاتا ہے جیسے فقد کذبت رسل یعنی کیٔ عظمت والے رسول جھٹلائے گئے۔
5. اور کبھی نکرہ سے مراد تحقیر ہوتی ہے یعنی کسی چیز کو اتنا گھٹیا اور کمتر بیان کرنا کہ اس کی اہمیت غیر واضح ہو جائے۔ جیسے ان نظن الا ظنا یعنی بہت معمولی گمان۔
6. نکرہ کبھی تقلیل یعنی کمی بیان کرنے کے لیے بھی آتا ہے۔ جیسے ورضوان من اللہ اکبر یعنی اللہ کی تھوڑی سی رضا بھی تمام جنتوں سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ یہی تمام سعادتوں کی اصل ہے۔

معرفہ لانے کے اسباب

1. معرفہ کو علمیت کے ساتھ ابتداً ہی لایا جاتا ہے تاکہ سامع کے ذہن میں فوراً وہ ذات آجائے جس کے ساتھ وہ اسم خاص ہے جیسے قل هو الله احد ۔
2. کبھی معرفہ لانا تعظیم کے لیے بھی ہوتا ہے جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام اسرائیل کے لقب کے ساتھ ذکر کرنا۔
3. یا اہانت کے لیے لایا جاتا ہے جیسے تبت يدا ابي لهب یہاں ابو لہب کہنا اس کے جہنمی ہونے سے کنایہ ہے۔
4. اور کبھی معرفہ اسم اشارہ قریب کے ذریعے لایا جاتا ہے، اس سے مشارالیہ کی تحقیر مقصود ہوتی ہے ،جیسے اللہ تبارک و تعالی کا فرمان ہے وما هذه الحياة الدنيا الا لهو ولعب ۔یا کبھی اسم اشارہ بعید کے

ذریعے مشارالیہ کی تعظیم مقصود ہوتی ہے ،مثلا ذلك الكتاب لا ريب فيه وہ بلند رتبہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ۔

5. اور کبھی معرفہ اسم موصول لایا جاتا ہے عموم حاصل کرنے کی غرض سے، جیسے ان الذين قالوا ربنا الله

وجوہ اور نظائر کا بیان

وجوہ وہ مشترک الفاظ جو کئی معنی میں استعمال ہو ۔

نظائر ایسے الفاظ کے جن کے ایک ہی معنی۔

بعض علماء کے نزدیک یہ قرآن کے معجزات میں سے ہے کیونکہ قرآن کا ایک کلمہ کم و بیش 20 وجوہ پر جاری ہوسکتا ہے اور ایسا لوگوں کے کلام میں ممکن نہیں۔حضرت ابو درداء رضی الله عنہ سے موقوفاً روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہو سکتا جب تک وہ قرآن کی بہت سی وجوہ پر نظر رکھنے والا نہ ہو۔

حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس کو خوارج کے ساتھ مباحثے کے لیے بھیجتے وقت فرمایا کہ تم خوارج سے مباحثہ کرنا لیکن خبردار قرآن سے حجت نہ لانا، اس لئے کہ قرآن بہت سی وجوہ کا احتمال رکھتا ہے بلکہ ان پر سنت کے ذریعے دلائل قائم کرنا۔

اسی قسم کے چند خاص الفاظ اور ان کی وجوہ ملاحظہ ہو۔

هدیٰ

اسکی وجوہ

1. ثبات اهدنا الصراط المستقیم

2. بیان أولئك على هدى من ربهم

3. دین ان الهدى هدى الله

4. ایمان ویزید الله الذین اهتدوا هدى

5. دعا ولکل قوم هاد

6. رسول اور کتاب فامایاتینکم منی هدى

7. پہچان وبالنجم هم یهتدون

8. نبی ان الذین یکتمون ما أنزلنا من البینات والهدى

9. قرآن ولقد جاءهم من ربهم الهدى

10. توریت ولقد آتینا موسى الهدى

11. استرجاع(واپس کرنا) وأولئك هم المهتدون

12. حجت الم تر إلى الذي حاج إبراهیم في ربه أي لا یهدیهم حجه

13. توحید ان تتبع الهدى معك

14. سنت فبهداهم اقتده

15. اصلاح وأن الله لا یهدي کید الخائنین

16.) الہام اعطى کل شی خلقه ثم هدى

17. توبہ انا هدنا الیک

18.ارشاد ان یهدینی سواء السبیل

الصلواة

اسکی وجوه

1.)پانچ نمازیں یقیمون الصلاة
2. نماز جمعه إذا نودي للصلاة
3. نماز عصر تحبسونها من بعد الصلاة
4.)قرأت ولا تجهر بصلاتك
5. رحمة و استغفار إن الله وملائكته يصلون على النبي
6. دعاء وصل عليهم
7. دین اصلوتک تامرک

الرحمتہ

اسکی وجوه

1. اسلام یختص برحمته من یشاء
2. جنت ففی رحمة الله هم فیها خالدون
3. بارش بشرا بین یدی رحمته

4. ایمان و آتاني رحمة من عنده

محکم و متشابہہ کا بیان

قرآن مجید میں اللہ کا فرمان ہے.

هو الذي أنزل عليك الكتاب منه آيات محكمات هن ام الكتاب و اخر متشابهات

یعنی " وہی ہے جس نے آپ پر یہ کتاب اتاری اس کی کچھ آیتیں محکم ہے(کہ جن کے معنی صاف اور واضح ہیں)اور وہ کتاب کی اصل ہے اور دوسری متشابہ ہیں (جن کے معنی میں اشتباہ ہے) ۔"

قرآن محکم ہے یا متشابہ ؟

ابن حبیب نیشاپوری نے اس مسئلہ میں تین قول ذکر کیے ہیں:

پہلا تمام قرآن محکم ہے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالی نے فرمایا كتاب احكمت آيه

دوسرا سارا قرآن متشابہ ہے، اس کی دلیل اللہ کا یہ قول ہے كتابا متشابها مثاني

تیسرا کہ قرآن کی آیات محکم بھی ہیں اور متشابہ بھی ۔یہی صحیح قول ہے اور اس کی دلیل گرشتہ دونوں اقوال کی دلیلیں ہیں ۔

پہلے اور دوسرے قول کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں جو قرآن کریم کو محکم کہا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اتنا پختہ کلام ہے کہ اس پر کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اور دوسرے قول میں جو قرآن کو متشابہ کہا گیا اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کی آیات حق اور صداقت میں ایک دوسرے سے ملتی ہیں۔
محکم اور متشابہ کی تعین کے لئے چند اقوال مندرجہ ذیل ہیں۔

1. محکم وہ کلام ہے کہ جس کی مراد خود اپنے نزول سے یا تاویل کے ذریعہ معلوم ہوجائے۔ متشابہ وہ کلام کے جس کا علم حقیقی اللہ کے لیے مخصوص ہو۔ جیسے قیامت کے وقوع اور حروف مقطعات کا حقیقی علم۔
2. جس کلام کے معنی واضح ہے وہ محکم اور جس کے معنی واضح نہ ہو وہ متشابہ۔
3. جس کلام کے معنی کا ادراک عقل کر سکے وہ محکم ہے جیسا کہ نمازوں کی تعداد اور روزوں کا رمضان کے مہینے
کے ساتھ خاص ہونا اسی طرح وہ کلام جس کے معنی کا ادراک عقل نہ کر سکے وہ متشابہ۔
4. جس کلام میں الفاظ کی نکرار ہو وہ محکم ہے ورنہ متشابہ۔
5. محکم سے مراد فرائض وعد اور وعید ہے جبکہ متشابہ سے مراد قصص اور امثال ہے۔
6. حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ قرآن مجید کے ناسخ، حلال، حرام، حدود، فرائض اور ان امور جن پر ایمان لایا جاتا ہے اور عمل کیا جاتا ہے محکمات ہیں۔ اور قرآن کے ناسخ، مقدم موخر، امثال، اقسام اور وہ چیزیں جن پر ایمان لایا جاتا ہے مگر عمل نہیں کیا جاتا متشابہات ہے۔

7. مقاتل بن حبان سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات متشابہات ہیں.

اس بات میں اختلاف ہے کہ قرآن مجید کے متشابہات کو جاننا ممکن ہے یا نہیں ؟

دراصل یہ اختلاف اللہ تبارک و تعالی کے قول و راسخون فی العلم کے بارے میں ہے کیونکہ اس آیت مبارکہ کی ترکیب میں دو اقوال ہیں۔ 1) یہ آیت مبارکہ و راسخون فی العلم ((یقولون)) سے حال ہے۔یہ چند علماء کی رائے ہے۔ان میں حضرت مجاہد بھی شامل ہیں آپ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا انا ممن یعلم تاویلہ یعنی میں ان لوگوں میں سے ہیں جن کو متشابہات قرآن کا علم ہے۔

2) و راسخون فی العلم مبتدا ہے اور یقولون اس کی خبر۔صحابہ کرام ،تابعین ،تبع تابعین اور ان کے بعد والے مفسرین میں سے اکثر کے نزدیک یہی قول درست ہے۔اور حضرت عبداللہ بن عباس کے دیگر اقوال میں سے یہ سب سے زیادہ صحیح قول ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں اس قول کی دلیل مستدرک کی روایت ہے کہ "

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ وہ یوں قرات کرتے تھے وما يعلم تأويله إلا الله ويقول الراسخون في العلم امنا به اور جو لوگ ایمان میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی اصل مراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ۔

اگرچہ اس آیت کا قرات ہونا ثابت نہیں لیکن پھر بھی اس کا بسند صحیح حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہونا ثابت ہے اسلیے ان کا یہ قول دوسرے اقوال پر مقدم ہو گا۔ پھر خود قران مجید میں اللہ تبارک و تعالی نے آیت متشابہات کے پیچھے پڑھنے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِہِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَۃِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِہٖ اور وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ مشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں گراہی چاہنے کو۔

بخاری اور مسلم میں روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ایت مبارکہ الذی انزل الکتاب سے لے کر اولو الالباب تک تلاوت فرمائی پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ جب تم دیکھوں ان لوگوں کو کہ جو قران کے متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے بارے میں اللہ تبارک و تعالی نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے پس تم ان سے بچو۔

غرض یہ کہ متشابہات آیات کا علم صرف اللہ تبارک و تعالی کو حاصل ہے اور ان آیات میں غور و خوض کرنا یہ اچھی عادت نہیں۔

متشابہات کی حکمت

بعض علماء فرماتے ہیں کہ جس طرح بدن کو عبادت کے ادا کرنے کی آزمائش اور امتحان میں ڈالا گیا ہے اسی طرح ان آیات کے حق ہونے کا اعتقاد رکھنے میں عقل انسانی کو آزمائش میں مبتلا کیا گیا ہے۔

عقل انسانی جسم کا سب سے اہم اور معزز جزو ہے اگر اس کو امتحان یا مشکل میں نہیں ڈالا جاتا تو علماء غرور اور تکبر میں مبتلا ہو جاتے پس آیت متشابہات ہی وہ مقام ہے جہاں بندہ اپنے عقل کے قصور کا اعتراف کرتا ہے۔

متشابہ کی دو قسمیں ہیں:
پہلی قسم یہ کہ اگر ان آیات کو محکم آیات کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو اس کا معنی معلوم ہو جائے۔اور دوسری قسم وہ کہ جس کے معنی معلوم کرنے کی کوئی سبیل نہیں،اس قسم کی آیات میں کھوج کرنا ٹیڑھے دماغ والوں کی نشانی ہے۔

متشابہ کی قسم میں سے آیات صفات ہیں

﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى [طہ5]
كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ [القصص:٨٨]
، وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ [الرحمن: ٢٧]،
وَلِتُصْنَعَ عَلَى عَيْنِي [طه:٣٩]
يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ [الفتح: ١٠]،
وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيتٌ بِيَمِينِهِ [الزمر: ٦٧] ﴾.

جمہور اہل سنت سلف صالحین اور ائمہ محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ ان آیتوں پر ایمان رکھنا فرض ہے اور ان ایات سے جو بھی معنی مراد ہے وہ ہم اللہ تبارک و تعالی کے سپرد کرتے ہیں۔اور ان ایات سے جو ظاہری معنی مراد ہے ہم اس سے اللہ تبارک و تعالی کو پاک مانتے ہیں اور اس کی تفسیر نہیں۔

اہل سنت کے ایک گروہ کا یہ موقف ہے کہ ہم ان آیات کی تاویل ان امور کے ساتھ کرتے ہیں کہ جو اللہ تبارک و تعالی کے شایانِ شان ہیں ۔

ناسخ اور منسوخ کا بیان

علوم قران میں سے نسخ ایک انتہائی اہم موضوع ہے۔

لغوی معنی نسخ کا لغوی معنی ہے زائل کرنا ۔یعنی کسی چیز کو باطل کرنا اور دوسری چیز کو اس کے قائم مقام کرنا۔

شرعی معنی علامہ تفتہ زانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک دلیل شرعی کے بعد کوئی دوسری دلیل شرعی آجائے اور یہ دوسری دلیل شرعی پہلے حکم کے خلاف کا واجب کرے۔(یعنی پہلی دلیل سے جو حکم ثابت تھا اب وہ نہیں)۔

نسخ کی حکمت

نسخ کی بے شمار حکمتیں ہیں اور انہی میں سے ایک تیسیر یعنی آحکام میں آسانی اور سہولت فراہم کرنا ہے۔
نسخ کے جواز پر امت مسلمہ کا اجماع ہے جبکہ یہودی اس کے خلاف ہیں۔

قران کا نسخ کس طرح ممکن ہے ؟

ناسخ قرآن کے بارے میں اختلاف ہے ۔

نسخ القرآن بالقرآن

بعض علماء فرماتے ہیں کہ قران کا نسخ صرف قران سے ہی ممکن ہے خود قران مجید میں اللہ تبارک و تعالی ارشاد فرماتا ہے مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَآ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ

جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے ۔
علماء فرماتے ہیں کہ قرآن کی مثل یا اس سے بہتر صرف قرآن ہی ہو سکتا ہے۔لہذا قرآن کے علاوہ سے نسخ جائز نہیں۔

نسخ القرآن بالحدیث

بعض کے نزدیک سنت سے بھی قران کا نسخ ہو سکتا ہے کیونکہ حدیث بھی اللہ تبارک و تعالی کی طرف سے ہے اس کی دلیل اللہ تبارک و تعالی کا قول وما ينطق عن الهوى یعنی رسول اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے۔

نسخ کی اقسام

نسخ کی پہلی قسم وہ کہ جس پر عمل ہونے سے پہلے ہی اسے منسوخ کر دیا گیا اس کی مثال آیت نجوی ہے۔یہی حقیقی نسخ ہے۔

دوسری قسم وہ منسوخ شدہ احکام ہیں جو سابقہ امتوں پر نافذ تھے جیسا کہ قصاص اور دیت کے احکام۔

تیسری قسم وہ احکام کہ جن کا حکم کسی خاص سبب کی بنا پر تھا پھر بعد میں وہ سبب زائل ہو گیا جیسا کہ مسلمانوں کو تھوڑی تعداد میں ہونے کے وقت عفو درگزر سے کام لینے کا حکم دیا گیا پھر جب مسلمان زیادہ تعداد میں ہو گئے تو یہ حکم منسوخ کر کر جہاد کو فرض کر دیا گیا۔

قرآن مجید میں نسخ کی اقسام

اول وہ کہ جس کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہو گئے۔

دوم جس کی تلاوت باقی ہے لیکن حکم منسوخ ہو گیا اس کی مثال کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت یہ آیت آیت میراث سے منسوخ ہو گئی۔

سوم حکم باقی ہے لیکن اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی۔حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ سورۃ احزاب سورۃ بقرہ جتنی تھی اور ہم اس میں آیت رجم پڑھتے تھے۔پوچھا آیت رجم کیا ہے؟فرمایا اذا زنا الشیخ والشیخہ فارجموھا البتۃ نکالا۔

حکم کو باقی رکھتے ہوئے تلاوت کو منسوخ کرنے میں کیا حکمت ہے اس بارے میں علماء فرماتے ہیں اس سے مراد فرمانبرداری کا اظہار مقصود ہے۔

مقدم موخر

تقدیم اور تاخیر کے اعتبار سے آیات کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم وہ آیات کہ ظاہری طور پر جن کا معنی سمجھنا دشوار ہو لیکن تقدیم اور تاخیر کے معلوم ہو جانے سے اس کا معنیٰ واضح ہو جائے۔

امثال

- فلا تعجبك اموالهم ولا اولادهم انما يريد الله ليعذبهم بها في الحياة الدنيا

یہ آیت اصل میں یوں تھی لا تعجبك اموالهم ولا اولا دهم في الحياة الدنيا انما يريد

- ولولا كلمة سبقت من ربك لكان لزاما وأجل مسمى

اس آیت میں بھی تقدیم اور تاخیر ہے یہ کلام اصل میں یوں تھا ولولا كلمة سبقت من ربك وأجل مسمى لكان لزاما

- انزل على عبده الكتاب ولم يجعل له عوجا قيما

اس کی ترتیب یوں ہے انزل على عبده الكتاب قيما ولم يجعل له عوجا

- انی متوفیک و رافعک الی

اس ایت کی تقدیر عبارت یوں ہے رافعک الی ومتوفیک

دوسری قسم وہ آیات ہیں کہ جن کے کلام میں تقدیم اور تاخیر تو واقع ہوئی لیکن ان کے معنی سمجھنے میں مشکل نہیں ہوتی۔

امثال

امام سیبویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن میں کلام کی تقدیم اور تاخیر کی حکمتوں کو تلاش کیا تو میں نے اس کی دس انواع کو پایا۔

1. **برکت** کے لیے اہم کام میں اللہ کے نام کو مقدم کرنا شهد الله انه لا اله الا هو والملائكه وأولو العلم
2. **تعظیم** کے لیے و من يطيع الله و الرسول
3. **شرف** کے لئے ان المسلمين والمسلمات
4. سیاق کلام سے **مناسبت** کی بنا پر مقدم کرنا يريكم البرق خوفا وطمعا یہاں خوف کو امید سے مقدم رکھا۔
5. **ترغیب** دلانے کے لیے من بعد وصية بها أو دين اس آیت مبارکہ میں وصیت کو قرض سے پہلے ذکر کیا گیا حالانکہ شرعی لحاظ سے قرض کی ادائیگی وصیت سے پہلے ہے لیکن لوگوں کو وصیت کی ترغیب دلانے کے لیے پہلے ذکر کیا گیا۔
6. **سبقت** کی بنا پر مقدم کرنا لا تاخذه سنة ولا نوم
7. **سببیت** کی بنا پر مقدم کرنا عزیز حکیم اس لیے کہ اللہ کی صفت عزت اس کی صفت حکم پر مقدم ہے۔

8. کثرت کی بنا پہ مقدم کرنا فنکم کافر ومنکم مومن اس آیت مبارکہ میں کافروں کی کثرت کی وجہ سے ان کا ذکر مومنین سے پہلے کیا گیا۔

9. اعلی کی طرف ترقی کی بنا پر اللھم ارجل یمشون بھا أم لھم اید یبطشون بھا ہاتھ پیر سے اعلی ہیں، یہاں ادنی ذکر کر کے درجہ اعلی کی طرف ترقی ہے۔

10. ادنی کی طرف تنزلی کی وجہ سے لا یغادر صغیرہ ولا کبیرہ نہ اس نے کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا۔

تفسیر کے اصل ماخذ

تفسیر قران کے چار ماخذ ہیں:

پہلا ماخذ تفسیر کا قول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو یہ تفسیر کا سب سے عمدہ ماخذ ہے لیکن غیر صحیح روایات سے احتراز ضروری ہے۔

دوسرا ماخذ صحابہ کے اقوال سے نقل کرنا۔علماء کے نزدیک یہ مرفوع حدیث کی طرح ہے۔

تیسرا ماخذ مطلق لغت سے تفسیر اخذ کرنا کیونکہ قران عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور اس قول کو کئی علماء نے بیان کیا۔

چوتھا ماخذ قواعد شرعیہ کے لحاظ سے قران مجید کی آیات سے احکام اور تفسیر کا استنباط کرنا۔یہی وہ تفسیر ہے کہ جس کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس کے لیے دعا کی تھی « اے اللہ تو اسے فقیہ اسلام اور عالم تفسیر بنا دے »۔

قران کی تفسیر بغیر کسی عقل کے محض رائے اور اجتہاد سے کرنا جائز نہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے قران میں بغیر علم کے کوئی بات کہی پس وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔(ابو داوًد) ۔

مفسر قران کون ہو سکتا ہے

ایسے علوم کہ جن کی حاجت ایک مفسر کو ہوتی ہے ان علوم کا جامع شخص قران کی تفسیر کر سکتا ہے۔وہ 15 علوم ہیں:

1. **علم لغت** اس سے مفرد الفاظ کی شرح اور ان کی وضیت کا علم حاصل ہوتا ہے۔
2. **علم نحو** اس کے ذریعے معنی کے تغیر اور اعراب کا علم حاصل ہوتا ہے۔
3. **علم صرف** اس سے صیغوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔
4. **علم اشتقاق** اس سے مادے کے مشتقات واضح ہوتے ہیں۔

5. **علم البیان**
6. **علم بدیع**
7. **علم المعانی**

ان علوم کے ذریعے ترکیب کلام کے خواص کی معرفت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ مفسر کے لیے تقاضہ اعجاز کے مطابق تفسیر کرنا ضروری ہے اور وہ انہی علوم سے حاصل ہو سکتی ہے ان علوم کو **علم بلاغت** بھی کہا جاتا ہے۔

8. **علم الکلام** تاکہ تفسیر عقیدہ صحیحہ کے موافق ہو اور ان امور کے بارے میں جانا جا سکے کہ جن کی نسبت اللہ تبارک و تعالی کی طرف کرنا درست ہے یا نہیں۔
9. **علم اصول فقہ** کا کیونکہ اسی علم کے ذریعے احکام پر دلیل قائم کرنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔
10. **علم قرات** اس لیے کہ قرات ہی کے ذریعے احتمالی وجوہ میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دی جاتی ہے۔
11. **اسباب نزول کا علم** کیوں کہ شان نزول ہی کے ذریعہ وہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ جس کے بارے میں آیت نازل ہوئی۔
12. **علم ناسخ ومنسوخ**
13. **علم فقہ**
14. **علم حدیث**
15. **علم لدنی** یعنی وہ علم جو اللہ تعالی علماء کو ان کے عمل کے بدلے میں عطا کرتا ہے۔